ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 3901

Program: BS (Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ (شعبہ سیرت اسٹڈیز)

کورس: مطالعہ سیرت مکی ومدنی دور (3901) • سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 ریونٹ نمبر (1–5)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 0

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: حلف الفضول: مقاصد، سماجی اثرات اور اسلامی اصول (20 نمبر)

سوال نمبر 1: حلف الفضول کے مقاصد اور اس کے سماجی اثرات کو مد نظر رکھتے ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاہدے کے بارے میں خیالات کو کس طرح اسلامی اصولوں سے جوڑا جا سکتا ہے؟ (20)

تعارف

حلف الفضول مکی زندگی کے ان چند روشن واقعات میں سے ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے کے عرب معاشرے میں بھی عدل، مظلوم کی مدد اور کمزور کے حق کی حفاظت جیسی اقدار مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی تھیں۔ یہ معاہدہ اعلانِ نبوت سے پہلے مکہ مکرمہ میں طے پایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں شریک ہوئے۔ بعد میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہوئی تو بھی آپ نے اس معاہدے کو اچھے الفاظ میں یاد کیا اور اس کی تعریف فرمائی۔ سیرت کی کتابوں میں منقول مضمون کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اسلام کے دور میں بھی اس جیسے معاہدے کی طرف بلایا جائے تو آپ اس میں شرکت قبول فرمائیں گے۔ یہ جملہ اس معاہدے کی اہمیت سمجھنے کی کنجی ہے، کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام ہر اس نیک عمل، معاہدے اور سماجی کوشش کی قدر کرتا ہے جس کا مقصد ظلم کا خاتمہ اور مظلوم کی دادرسی ہو، خواہ اس کی بنیاد اسلام سے پہلے رکھی گئی ہو۔ اس جواب میں پہلے معاہدے کا پس منظر اور مقاصد بیان کیے جائیں گے، پھر اس کے سماجی اثرات کا جائزہ لیا جائے گا اور آخر میں یہ واضح کیا جائے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاہدے کے بارے میں خیالات کو عدل، امانت، مظلوم کی نصرت اور اجتماعی ذمہ داری جیسے اسلامی اصولوں سے کس طرح جوڑا جا سکتا ہے۔ یہ بحث خالص تعلیمی اور تاریخی ہے؛ اس سے کسی معاصر فرد یا فریق کے بارے میں کوئی شرعی حکم اخذ کرنا اس گائیڈ کا مقصد نہیں۔

حلف الفضول کا پس منظر

عرب میں حرب الفجار کے بعد مکہ میں امن و امان کی صورت حال بگڑ چکی تھی۔ قبائلی عصبیت مضبوط تھی، طاقت ور شخص کمزور کا حق دبا لیتا تھا اور باہر سے آنے والے تاجر یا مسافر کے ساتھ بھی زیادتی ہو جاتی تھی، کیونکہ مکہ میں کوئی مرکزی عدالتی نظام موجود نہیں تھا جو ہر مظلوم کو انصاف دلا سکے۔ سیرت نگاروں کے بیان کے مطابق ایک موقع پر ایک یمنی تاجر کے ساتھ زیادتی ہوئی اور اس نے اہلِ مکہ کو مدد کے لیے پکارا۔ اس واقعے نے چند نیک دل سرداروں کو حرکت میں لایا۔ بنو ہاشم، بنو مطلب، بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو تیم کے نمائندے عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے اور انہوں نے عہد کیا کہ مکہ میں کسی مقامی یا باہر سے آنے والے شخص پر ظلم نہیں ہونے دیا جائے گا، مظلوم کا ساتھ دیا جائے گا اور ظالم سے اس کا حق واپس دلوایا جائے گا۔ اس عہد کو حلف الفضول کہا گیا۔ بعض روایات میں اس نام کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ فضل و بزرگی اور حق کی طرف

لوٹنے کا معاہدہ تھا، اور بعض کے نزدیک اس میں شریک چند افراد کے ناموں سے یہ نسبت پیدا ہوئی۔ اصل اہمیت نام کی بحث میں نہیں بلکہ اس اصول میں ہے جو اس معاہدے نے قائم کیا، یعنی طاقت اور قبیلے سے بالاتر ہو کر حق کا ساتھ دینا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس معاہدے میں شریک لوگ کسی ایک قبیلے سے تعلق نہیں رکھتے تھے بلکہ مختلف قبائل کے نمائندے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدل کا تقاضا قبائلی مفاد سے اوپر رکھا گیا۔ مکہ جیسے شہر میں، جہاں تجارت کا انحصار امن پر تھا، اس معاہدے نے باہر سے آنے والوں کو بھی تحفظ کا احساس دیا۔ جو نوجوان اس مجلس میں شریک ہوا وہی آگے چل کر پوری انسانیت کے لیے رحمت بن کر آیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں بھی اس شرکت کو فخر سے یاد رکھا۔ اس سے طالب علم کو یہ سبق ملتا ہے کہ کردار کی تعمیر نبوت سے پہلے کی زندگی میں بھی نمایاں تھی اور آپ کی سیرت کا ہر مرحلہ اگلے مرحلے سے جڑا ہوا ہے۔

معاہدے کے بنیادی مقاصد

حلف الفضول کا پہلا مقصد مظلوم کی مدد تھا۔ معاہدے میں طے ہوا کہ جس شخص کے ساتھ بھی زیادتی ہو گی، شریک قبائل اس کے ساتھ کھڑے ہوں گے یہاں تک کہ اس کا حق اسے واپس مل جائے۔ دوسرا مقصد ظلم کی روک تھام تھا، کیونکہ جب ظالم کو معلوم ہو کہ اس کے مقابلے میں کئی قبائل متحد ہو جائیں گے تو وہ زیادتی سے باز رہنے پر مجبور ہو گا۔ تیسرا مقصد شہر میں امن قائم کرنا تھا، تاکہ تجارت، سفر اور روزمرہ زندگی محفوظ ہو سکے۔ چوتھا مقصد غریب، مسافر اور بے سہارا شخص کو تحفظ دینا تھا، کیونکہ مقامی قبیلے والا تو اپنے قبیلے کی حمایت حاصل کر لیتا تھا مگر اجنبی شخص بالکل بے یار و مددگار ہوتا تھا۔ پانچواں مقصد یہ تھا کہ حق کو طاقت پر مقدم رکھا جائے۔ ان مقاصد کو اگر آج کی زبان میں بیان کیا جائے تو یہ انصاف کی فراہمی، کمزور کے تحفظ اور قانون کی بالادستی کی ابتدائی اور قبائلی صورت تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس نظام کی بنیاد تحریری قانون کے بجائے حلف اور سماجی دباؤ پر تھی، مگر اس کا رخ درست سمت میں تھا۔

جدول: حلف الفضول کے مقاصد اور ان کی اسلامی تعبیر

مقصد	مکی معاشرے میں صورت	اسلامی اصول سے تعلق

مظلوم کی نصرت اور ظلم کی ممانعت	مظلوم کے ساتھ کھڑے ہونا	مظلوم کی مدد
برائی سے روکنا اور عدل قائم کرنا	متحدہ سماجی دباؤ	ظلم کی روک تھام
جان ومال کی حفاظت	تاجر و مسافر کا تحفظ	امن کا قیام
عدل خواہ مخالف اپنا ہی کیوں نہ ہو	قبیلے سے بڑھ کر حق کا ساتھ	حق کی بالادستی

معاہدے کے سماجی اثرات

اس معاہدے کا پہلا سماجی اثر یہ ہوا کہ مکہ کے لوگوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ ظلم کے خلاف اجتماعی آواز اٹھ سکتی ہے۔ دوسرا اثر یہ تھا کہ باہر سے آنے والے تاجروں کا اعتماد بڑھا، کیونکہ انہیں معلوم ہوا کہ ان کے حق کے لیے آواز اٹھانے والے موجود ہیں۔ تیسرا اثر قبائلی عصبیت میں کمی کی صورت میں ظاہر ہوا، کیونکہ مختلف قبائل ایک مشترکہ نیکی پر متحد ہوئے۔ چوتھا اثر یہ تھا کہ معاہدے نے اخلاقی قیادت کی ایک مثال قائم کی، جس سے نوجوان نسل کو یہ درس ملا کہ بڑا آدمی وہ نہیں جو طاقت سے حق دبائے بلکہ وہ ہے جو حق کے لیے کھڑا ہو۔ البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ معاہدہ پورے مکی نظام کو بدل نہیں سکا، کیونکہ اس کے پیچھے کوئی مستقل ادارہ یا قانون نافذ کرنے والی قوت موجود نہیں تھی۔ اسی لیے آگے چل کر اسلام نے عدل کو صرف ایک رضاکارانہ حلف تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ایمان، عبادت اور ریاست و معاشرت کے پورے نظام سے جوڑ دیا۔ اس فرق کو سمجھنا ضروری ہے، تاکہ طالب علم حلف الفضول کی قدر بھی کرے اور اسلام کی جامعیت بھی اس پر واضح ہو جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیالات اور اسلامی اصول

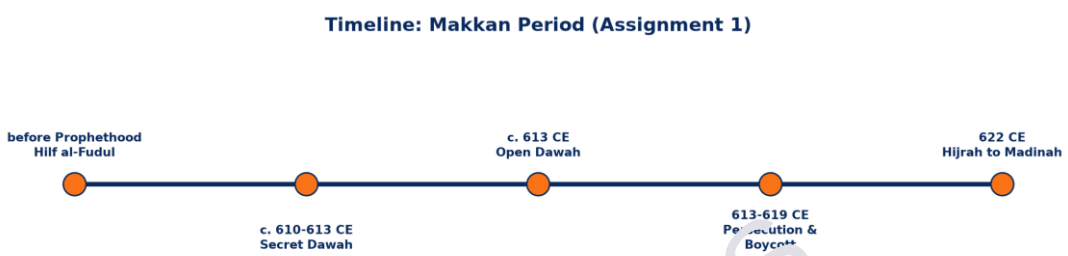
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاہدے کی تعریف اس لیے فرمائی کہ اس کا مقصد کسی قبیلے کی بڑائی یا کسی شخص کی دنیوی شہرت نہیں تھا بلکہ مظلوم کی مدد تھا۔ اسلام کا بنیادی اصول یہی ہے کہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کیا جائے اور گناہ و زیادتی میں تعاون نہ کیا جائے۔ قرآن مجید میں سورۃ المائدہ میں اسی اصول کا مفہوم بیان ہوا ہے کہ نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کا ساتھ دو اور گناہ اور زیادتی میں ساتھ نہ دو۔ اسی طرح سورۃ النساء میں عدل پر کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا ہے خواہ گواہی اپنے یا قریبی لوگوں

کے خلاف ہی کیوں نہ جائے۔ ان آیات کے مفہوم کو سامنے رکھا جائے تو حلف الفضول کی تعریف بالکل سمجھ میں آتی ہے، کیونکہ وہ معاہدہ بھی حق کے ساتھ کھڑے ہونے کا نام تھا۔ اسلام نے اس اصول کو مزید وسعت دی اور فرمایا کہ عدل صرف اپنے قبیلے، قوم یا ہم مذہب کے لیے نہیں بلکہ ہر انسان کے لیے ہے۔ دشمن کے ساتھ بھی ناانصافی جائز نہیں، جیسا کہ سورۃ المائدہ میں دشمنی کو عدل سے روکنے کی تلقین کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا اسلامی اصول امانت اور وعدے کی پابندی ہے۔ حلف الفضول ایک عہد تھا اور شرکاء نے اسے نبھایا۔ اسلام میں عہد کی پاسداری ایمان کی علامت قرار دی گئی ہے اور وعدہ خلافی کو سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ تیسرا اصول مظلوم کی نصرت ہے۔ حدیث کے مفہوم کے مطابق مسلمان اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے، ظالم ہو تو اسے ظلم سے روک کر اور مظلوم ہو تو اس کا ساتھ دے کر۔ یہی مفہوم حلف الفضول کی روح تھی۔ چوتھا اصول اجتماعی ذمہ داری ہے، یعنی معاشرے کے بااثر لوگ خاموش تماشائی نہ بنیں بلکہ برائی کو روکنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ ان تمام اصولوں کو ملا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاہدے کو اس لیے پسند فرمایا کہ اس کی روح اسلام کی تعلیمات سے ہم آہنگ تھی، اگرچہ اسلام اس سے کہیں آگے بڑھ کر عدل کو عقیدہ، قانون اور آخرت کی جواب دہی سے جوڑ دیتا ہے۔

نتیجہ

اختتام پر کہا جا سکتا ہے کہ حلف الفضول مکی دور کا ایک غیر معمولی سماجی معاہدہ تھا جس نے مظلوم کی مدد، ظلم کی روک تھام اور حق کی بالادستی کو اپنا مقصد بنایا۔ اس کے اثرات محدود مگر مثبت تھے اور اس نے یہ ثابت کیا کہ عدل کی طلب انسانی فطرت میں موجود ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس معاہدے کی تعریف کو اسلامی اصولوں سے جوڑنے کا درست طریقہ یہ ہے کہ اسے عدل، نصرت مظلوم، وفائے عہد اور نیکی میں تعاون کی مثال کے طور پر سمجھا جائے۔ اسلام نے ان اقدار کو قبول کر کے انہیں مضبوط بنیاد دی اور ہر دور کے انسان کو یہ درس دیا کہ حق کا ساتھ دینا ایمان کا تقاضا ہے، چاہے حق پر کوئی کمزور اور بے سہارا انسان ہی کیوں نہ ہو۔ طالب علم کے لیے اس واقعے کا سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں بھی انصاف، امانت اور مظلوم کی حمایت کو شعار بنائے اور کسی بھی نیک اجتماعی کوشش کی قدر کرے۔ یہی سیرت کے مطالعے کا اصل مقصد ہے کہ تاریخ صرف یاد نہ کی جائے بلکہ اس سے کردار بھی تعمیر ہو۔



شکل ۱: مکی دور کے اہم مراحل کی زمانی ترتیب

سوال نمبر 2: خفیہ دعوت سے علی الاعلان دعوت تک (20 نمبر)

سوال نمبر 2: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی تین سالہ خفیہ دعوتی دور کے بعد علی الاعلان دعوت کے بارے میں حکم کن قرآنی آیات کے ذریعے دیا گیا، اور ان آیات کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کو عام کرنے کے لیے کون سے اقدامات اٹھائے؟ (20)

تعارف

نبوت کے بعد دعوت کا آغاز خاموشی اور حکمت کے ساتھ ہوا۔ تقریباً تین سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منتخب افراد کو انفرادی طور پر اسلام کی دعوت دی، تاکہ نئے ایمان لانے والوں کی تربیت ہو سکے اور ایک مضبوط جماعت تیار ہو جائے جو آئندہ مشکلات کا مقابلہ کر سکے۔ سوال یہ ہے کہ اس خفیہ دور کے بعد کھلی دعوت کا حکم کن آیات کے ذریعے آیا اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سے عملی اقدامات فرمائے۔ اس سوال کا جواب سیرت کے مطالعے میں خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس سے دعوت کے تدریجی طریقہ کار، حکمت عملی اور حالات کے مطابق مراحل کی سمجھ حاصل ہوتی ہے۔ خفیہ دعوت کمزوری یا خوف کا نام نہیں تھی بلکہ ایک تربیتی مرحلہ تھا، اور اعلانیہ دعوت بھی جذباتیت نہیں تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل تھی۔ اس جواب میں پہلے خفیہ دور کا مختصر پس منظر، پھر اعلان کا حکم دینے والی آیات کا مفہوم باحوالہ بیان کیا جائے گا اور آخر میں وہ اقدامات تفصیل سے لکھے جائیں گے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کو عام کرنے کے لیے اختیار فرمائے۔ قرآنی آیات کا یہاں صرف مفہوم اور حوالہ دیا گیا ہے، کسی آیت کا لفظی اقتباس گائیڈ میں نقل نہیں کیا گیا۔

تین سالہ خفیہ دعوت کا پس منظر

پہلی وحی کے بعد دعوت کا مرکز ابتدائی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر اور پھر دار ارقم رہا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے ایمان لائیں، پھر حضرت ابو بکر صدیق، حضرت علی اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم سمیت چند مخلص افراد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ذریعے کئی نمایاں صحابہ تک دعوت پہنچی۔ اس دور میں نماز اور قرآن کی تعلیم خفیہ طور پر ہوتی تھی کیونکہ قریش کی عبادت شرک کی حفاظت کو اپنا مذہبی اور معاشی فریضہ سمجھتی تھی۔ اگر دعوت پہلے دن سے کھلے عام شور و غل کے ساتھ شروع ہو جاتی تو کمزور مسلمانوں کو سخت خطرہ لاحق ہو سکتا تھا اور تربیت کا موقع بھی نہ ملتا۔ تین سال کی اس خاموش محنت نے ایک ایسی جماعت تیار کر دی جو عقیدے میں پختہ، کردار میں مضبوط اور قربانی کے لیے تیار تھی۔ یہی جماعت بعد میں مظالم کے باوجود دین پر ثابت قدم رہی۔ اس مرحلے سے یہ اصول بھی ملتا ہے کہ کسی بڑے کام کی کامیابی کے لیے پہلے افراد کی تیاری ضروری ہوتی ہے۔

علانیہ اعلان دعوت کا حکم دینے والی آیات

سیرت نگاروں نے اعلانیہ دعوت کے حکم کے سلسلے میں بنیادی طور پر دو مقامات کا ذکر کیا ہے۔ پہلا مقام سورۃ الشعراء کی آیت 214 ہے جس کے مفہوم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں یعنی انہیں اللہ کے عذاب سے خبردار کر کے حق کی طرف بلائیں۔ دوسرا مقام سورۃ الحجر کی آیت 94 ہے جس کے مفہوم میں فرمایا گیا کہ جو حکم آپ کو دیا گیا ہے اسے کھول کر بیان کر دیں اور مشرکوں سے منہ موڑ لیں، یعنی ان کی مخالفت کی پروا کیے بغیر پیغام پہنچائیں۔ بعض مفسرین اور سیرت نگاروں نے ان آیات کے نزول کی ترتیب میں اختلاف بیان کیا ہے کہ پہلے قریبی رشتہ داروں کو دعوت دی گئی یا پہلے عام اعلان ہوا، مگر اس بات پر اتفاق ہے کہ یہی آیات خفیہ دور کے خاتمے اور اعلانیہ مرحلے کے آغاز کی بنیاد بنیں۔ اس کے علاوہ سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات میں بھی اٹھ کر خبردار کرنے کا حکم موجود ہے جو دعوت کے عمومی فریضے کو ظاہر کرتا ہے، اگرچہ سیرت نگار اسے دعوت کے آغاز سے جوڑتے ہیں۔ طالب علم کو چاہیے کہ وہ آیات کے حوالے یاد رکھے اور ان کے مفہوم کو سیرت کے واقعات سے جوڑ کر سمجھے۔

ان آیات کی روشنی میں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ اعلان کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا، ذاتی خواہش یا وقتی جوش کا نتیجہ نہیں تھا۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ دعوت کا پہلا دائرہ قریبی رشتہ دار رکھا گیا، کیونکہ انسان کی اصلاح کا آغاز اپنے قریب ترین لوگوں سے ہوتا ہے اور ان کی ذمہ داری بھی زیادہ ہے۔ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ مشرکوں کی مخالفت سے بے پروائی کا حکم دیا گیا، جس کا مطلب یہ نہیں کہ بداخلاقی اختیار کی جائے بلکہ یہ کہ حق کی تبلیغ میں کسی کے دباؤ کو قبول نہ کیا جائے۔ یہی تین نکات آگے کے اقدامات میں صاف نظر آتے ہیں۔

دعوت کو عام کرنے کے اقدامات: بنوہاشم کی دعوت

سورۃ الشعراء کی آیت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو جمع کرنے کا اہتمام فرمایا۔ سیرت کی روایات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھانا تیار کرنے اور بنوعبدالمطلب کو بلانے کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔ اس مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اللہ کی وحدانیت کی دعوت دی اور اپنے پیغام کو واضح الفاظ میں پیش کیا۔ ابولہب کی مخالفت کی وجہ سے پہلی مجلس میں بات مکمل نہ ہو سکی تو آپ نے دوبارہ مجلس بلائی اور پھر خطاب فرمایا۔ اس اقدام سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کو سب سے پہلے اپنے خاندان تک پہنچایا، تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ دوسروں کو نصیحت کی گئی اور اپنے عزیزوں کو چھوڑ دیا گیا۔ خاندانی دعوت میں نرمی، محبت اور ذمہ داری کا احساس نمایاں تھا، مگر حق کے بیان میں کوئی مداہنت نہیں تھی۔ یہ توازن دعوت کے اصولوں میں ہمیشہ رہنمائی کرتا ہے۔

کوہ صفا پر عام اعلان

اعلانیہ دعوت کا سب سے مشہور واقعہ کوہ صفا پر خطاب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا کی پہاڑی پر تشریف لے گئے اور قبائل کو نام لے لے کر پکارا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے پہلے ان سے اپنی سچائی کا اقرار کروایا کہ اگر میں تمہیں بتاؤں کہ پہاڑ کے پیچھے لشکر ہے تو کیا تم مان لو گے؟ سب نے کہا کہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا پایا ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اللہ کے عذاب سے خبردار کیا اور توحید کی دعوت دی۔ ابولہب نے اس موقع پر سخت بدکلامی کی جس پر سورۃ اللہب نازل ہوئی۔ صفا کے خطاب کی اہمیت یہ ہے کہ یہ دعوت کا پہلا باقاعدہ عوامی اعلان تھا جس کے بعد اسلام کی خبر ہر گھر تک پہنچ گئی۔ اس اقدام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گزشتہ زندگی کی ساکھ کو

بطور دلیل استعمال کیا کہ چالیس سال کی سچائی اور امانت داری دیکھنے کے بعد نبوت کے دعوے کو بھی سنجیدگی سے سننا چاہیے۔ یہ دلیل آج بھی دعوت میں کردار کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔

دیگر اقدامات اور ان کے نتائج

صفا کے اعلان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے پاس، بازاروں اور جمع ہونے کی جگہوں میں دعوت دینا شروع کر دی۔ نماز کھلے عام ادا ہونے لگی، قرآن کی تلاوت کی آوازیں گھروں سے باہر سنائی دینے لگیں اور نئے مسلمان بھی اپنے ایمان کا اظہار کرنے لگے۔ حج اور میلوں کے مواقع پر باہر سے آنے والے قبائل تک بھی پیغام پہنچایا گیا۔ ان اقدامات کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ قریش کی مخالفت بھی کھل کر سامنے آ گئی۔ کبھی مذاق اڑایا گیا، کبھی الزامات لگائے گئے اور کبھی سرداروں نے ابو طالب کے ذریعے دباؤ ڈالنے کی کوشش کی۔ مگر دعوت رکی نہیں، بلکہ مخالفت نے لوگوں کی توجہ مزید بڑھا دی اور بہت سے لوگ تحقیق کر کے ایمان لے آئے۔ اس مرحلے سے یہ اصول بھی حاصل ہوتا ہے کہ حق کی دعوت جب واضح ہو جائے تو اس کے نتائج اللہ پر چھوڑ دینے چاہئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی نے صحابہ کو بھی حوصلہ دیا اور دعوت کا دائرہ مکہ سے باہر نکلنے لگا، جس کی تفصیل حبشہ کی طرف ہجرت اور طائف کے سفر میں نظر آتی ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ تین سالہ خفیہ دعوت ایک تربیتی مرحلہ تھا جس کے بعد سورۃ الشعراء آیت 214 اور سورۃ الحجر آیت 94 کے مفہوم کے مطابق اعلانیہ دعوت کا حکم آیا۔ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے بنو ہاشم کو دعوت دی، پھر کوہ صفا سے عام اعلان فرمایا اور اس کے بعد مسجد حرام، بازاروں اور قبائل کے مجمعوں میں پیغام پہنچایا۔ ان اقدامات نے اسلام کو ایک خفیہ تحریک کے بجائے ایک واضح اور عوامی دعوت بنا دیا۔ طالب علم کے لیے اس میں سب سے بڑا سبق حکمت اور مراحل کی اہمیت کا ہے کہ ہر کام اپنے وقت اور ترتیب سے کیا جائے، بنیاد مضبوط کی جائے اور جب اعلان کا وقت آئے تو پوری ثابت قدمی کے ساتھ حق بیان کیا جائے۔ یہی سیرت نبوی کا وہ اسلوب ہے جو دعوت و تربیت کے ہر کام میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

سوال نمبر 3: حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر مظالم، ثابت قدمی اور رہائی (20 نمبر)

سوال نمبر 3: حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف نے کن مظالم کا نشانہ بنایا؟ ان کی ثابت قدمی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جانب سے ان کی رہائی کی تفصیل بیان کریں۔ (20)

تعارف

حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ ان اولین مسلمانوں میں سے ہیں جن کا نام صبر، استقامت اور توحید پر ثابت قدمی کی علامت بن گیا ہے۔ آپ حبشی النسل غلام تھے اور مکہ میں امیہ بن خلف کی غلامی میں زندگی گزار رہے تھے۔ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو آپ کے آقا نے اسے اپنی ذات اور قبائلی نظام کے خلاف بغاوت سمجھا، کیونکہ ایک غلام کا اپنے آقا کے مذہب کو چھوڑ دینا اس دور کے معاشرے میں ناقابل قبول سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد آپ پر مظالم کا ایسا سلسلہ شروع ہوا جو سیرت کی تاریخ کے دردناک ترین ابواب میں شمار ہوتا ہے۔ مگر ان مظالم کے جواب میں آپ کی زبان سے احد احد کی صدا بلند ہوتی رہی، یعنی اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے۔ یہ دو الفاظ صرف ایک نعرہ نہیں تھے بلکہ پورے عقیدہ توحید کا خلاصہ تھے۔ اس جواب میں پہلے ان مظالم کی تفصیل بیان کی جائے گی جو امیہ بن خلف نے آپ پر ڈھائے، پھر آپ کی ثابت قدمی کے اسباب اور مظاہر کا جائزہ لیا جائے گا اور آخر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جانب سے آپ کی رہائی کا واقعہ تفصیل سے لکھا جائے گا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اسلام اور امیہ بن خلف کا ردعمل

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دعوت کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔ آپ کا ایمان کسی دنیوی فائدے کے لیے نہیں تھا، کیونکہ غلام کے لیے اسلام قبول کرنا دنیوی اعتبار سے نقصان ہی نقصان تھا۔ آقا کی ناراضی، مار پیٹ اور ممکنہ طور پر جان کا خطرہ سامنے تھا۔ اس کے باوجود آپ نے حق کو پہچان کر اسے قبول کیا۔ امیہ بن خلف قریش کا ایک سردار اور اسلام کا سخت دشمن تھا۔ اسے جب اپنے غلام کے اسلام کا علم ہوا تو اس نے پہلے دباؤ اور لالچ سے کام لینے کی کوشش کی، مگر جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے فیصلے پر قائم رہے تو اس نے تشدد کا راستہ اختیار کیا۔ اس کا مقصد صرف ایک غلام کو سزا دینا نہیں تھا بلکہ دوسرے کمزور لوگوں کو بھی عبرت دلانا تھا کہ اسلام قبول کرنے کی سزا یہ ہو

گی۔ یہی وجہ ہے کہ مظالم کھلے عام اور دن کی روشنی میں کیے جاتے تھے، تاکہ پورا شہر دیکھے اور خوف زدہ ہو جائے۔ مگر نتیجہ اس کے برعکس نکلا، کیونکہ ان مظالم نے اسلام کی صداقت کو مزید اجاگر کر دیا کہ ایک بے سہارا غلام بھی اس دین کے لیے سب کچھ برداشت کرنے پر تیار ہے۔

مظالم کی تفصیل

سیرت کی کتابوں میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ہونے والے مظالم کی تفصیل اس طرح بیان ہوئی ہے کہ دوپہر کی تیز دھوپ میں جب مکہ کی ریت آگ کی طرح تپ رہی ہوتی، امیہ آپ کو گھر سے نکال کر کھلے میدان میں لٹا دیتا۔ آپ کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا تاکہ حرکت مشکل ہو جائے اور اس حالت میں کہا جاتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرو اور لات و عزیٰ کا نام لو، ورنہ اسی حالت میں جان نکل جائے گی۔ کبھی آپ کو گائے کی کھال میں لپیٹ کر دھوپ میں ڈال دیا جاتا اور کبھی رسی گلے میں ڈال کر لڑکوں کے حوالے کر دیا جاتا جو آپ کو مکہ کی گلیوں اور پہاڑی راستوں میں گھسیٹتے پھرتے۔ گردن پر رسی کے نشان پڑ جاتے مگر آپ کی زبان سے کلمہ کفر نہ نکلا۔ کھانا پانی بند کر کے بھوک اور پیاس سے بھی آزمایا گیا۔ یہ مظالم ایک دن کے نہیں تھے بلکہ ایک عرصے تک جاری رہے۔ ان تفصیلات کو پڑھتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ سیرت کی مختلف کتابوں میں جزئیات میں معمولی اختلاف ہو سکتا ہے، مگر اصل واقعہ یعنی شدید تشدد اور آپ کی استقامت تمام معتبر مآخذ میں مشترک ہے۔

جدول: حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر مظالم اور ان کا جواب

ظلم کی صورت	مقصد	حضرت بلال کا جواب
تپتی ریت پر لٹانا	جسمانی اذیت سے ایمان چھڑوانا	احد احد کی صدا
سینے پر بھاری پتھر	حرکت اور سانس دشوار کرنا	توحید پر ثابت قدمی
گلے میں رسی اور گلیوں میں گھسیٹنا	ذلت اور عبرت کا مظاہرہ	عزتِ نفس اور صبر
بھوک پیاس	کمزور کر کے فیصلہ بدلوانا	اللہ پر توکل

ثابت قدمی کے مظاہر اور اسباب

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی کا سب سے بڑا مظہر احد احد کا ورد تھا۔ اس مختصر جملے میں شرک کی مکمل نفی اور توحید کا مکمل اقرار موجود تھا۔ دوسرا مظہر یہ تھا کہ آپ نے کبھی اپنے آقا سے رحم کی بھیک نہیں مانگی اور نہ ایمان کے بدلے کسی رعایت کو قبول کیا۔ تیسرا مظہر زبان کا ضبط تھا کہ سخت اذیت میں بھی آپ کی زبان سے کوئی نامناسب بات نہیں نکلی۔ اس استقامت کے اسباب پر غور کیا جائے تو پہلا سبب ایمان کی حقیقی معرفت تھی کہ جس دل میں اللہ کی عظمت اور آخرت کا یقین بیٹھ جائے اس کے لیے وقتی تکلیف ہلکی ہو جاتی ہے۔ دوسرا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور صحابہ کی رفاقت تھی جس نے آپ کو تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ تیسرا سبب یہ یقین تھا کہ یہ تکلیف ہمیشہ نہیں رہے گی اور اللہ اپنے بندوں کی قربانی ضائع نہیں کرتا۔ بعد کی زندگی نے اس یقین کو سچ کر دکھایا، وہی بلال رضی اللہ عنہ جنہیں مکہ کی گلیوں میں گھسیٹا جاتا تھا، مدینہ میں اسلام کے پہلے مؤذن بنے، بدر سمیت اہم غزوات میں شریک ہوئے اور فتح مکہ کے موقع پر کعبہ کی چھت پر اذان دینے کا شرف حاصل کیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جانب سے رہائی

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مظالم کی خبر ملی تو آپ نے انہیں خرید کر آزاد کرنے کا فیصلہ کیا۔ روایات کے مطابق آپ امیہ بن خلف کے پاس گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خریدنے کی پیشکش کی۔ امیہ نے سخت قیمت مانگی، بعض روایات میں ایک صحت مند غلام کے تبادلے اور کچھ مال کا ذکر بھی آتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قیمت کی پروا کیے بغیر معاملہ طے کیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا۔ اس موقع پر مشرکوں نے طعنہ دیا کہ ابو بکر نے نقصان کا سودا کیا ہے تو جواب میں یہ مفہوم مشہور ہے کہ اگر اس سے کئی گنا زیادہ قیمت بھی مانگی جاتی تو بھی ادا کر دی جاتی، کیونکہ یہ سودا اللہ کے لیے تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے صرف حضرت بلال ہی کو نہیں بلکہ کئی اور مظلوم غلاموں اور لونڈیوں کو بھی خرید کر آزاد کیا، جن میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ سمیت کئی نام شامل ہیں۔ اس عمل پر سورۃ اللیل کی آیات کے نزول کا ذکر بھی مفسرین کرتے ہیں جن میں بے غرض مال خرچ کرنے والے کی تعریف کا مفہوم بیان ہوا ہے۔ یہاں یہ نکتہ واضح رہے کہ آیات کے شان نزول کی تفصیلات میں اہل علم کے اقوال موجود ہیں، اس لیے طالب علم کو انہیں مفہوم کی سطح پر سمجھنا چاہیے۔

رہائی کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ آزاد مسلمان کی حیثیت سے جماعت کے معزز رکن بن گئے۔ آپ کی وفاداری، سادگی اور عبادت گزاری مثالی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ نے شام کے محاذ کی طرف جانے کی اجازت چاہی اور وہیں وفات پائی، بعض روایات کے مطابق دمشق میں آپ کا مزار مشہور ہے۔ رہائی کے اس واقعے میں امت کے لیے کئی اسباق ہیں۔ پہلا سبق یہ ہے کہ [illegible] کا اصل قدر یہ ہے کہ وہ مظلوم کی مدد اور انسان کی آزادی پر خرچ ہو۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ ایمان صرف زبان کا دعویٰ نہیں بلکہ عملی ہمدردی اور قربانی بھی ہے۔ تیسرا سبق یہ ہے کہ اسلام نے غلامی کے نظام کے اندر رہتے ہوئے بھی انسان کی عزت اور آزادی کی راہ ہموار کی اور آزاد کرنے کو بڑی نیکی قرار دیا۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ پر امیہ بن خلف نے تپتی ریت، بھاری پتھر، بھوک اور پیاس سمیت ہر طرح کے مظالم آزمائے، مگر آپ کی زبان سے توحید کے سوا کچھ نہ نکلا۔ آپ کی ثابت قدمی نے یہ ثابت کر دیا کہ ایمان کا تعلق نسل، رنگ یا سماجی درجے سے نہیں بلکہ دل کی سچائی سے ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو خرید کر آزاد کر کے وہ مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک مال دار مسلمانوں کو مظلوموں کی مدد کا درس دیتی رہے گی۔ طالب علم کے لیے اس واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ مشکل وقت میں ثابت قدمی، اللہ پر توکل اور اہل ایمان کی باہمی مدد ہی وہ راستہ ہے جس سے ایک کمزور فرد بھی تاریخ کا عظیم انسان بن جاتا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زندگی اس حقیقت کی زندہ دلیل ہے۔

سوال نمبر 4: ہجرت کی رات: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری اور کفار کا منصوبہ (20 نمبر)

سوال نمبر 4: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہجرت کی رات کیا ذمہ داری سونپی؟ کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر حملے کا منصوبہ کیسے بنایا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کس طرح اندھا کر دیا؟ (20)

تعارف

ہجرت کی رات سیرت نبوی کا وہ فیصلہ کن موڑ ہے جس کے بعد اسلام مکہ کے محدود اور مظلوم ماحول سے نکل کر مدینہ میں ایک منظم معاشرے کی صورت اختیار کر گیا۔ اس رات ایک طرف کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا پختہ منصوبہ بنایا تھا اور دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے ہجرت کی تیاری فرمائی تھی۔ اسی رات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وہ عظیم ذمہ داری سونپی گئی جو امانت، وفاداری اور قربانی کی بلند ترین مثال ہے۔ سوال کے تین حصے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری، کفار کے حملے کا منصوبہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی آنکھوں پر پہرہ پڑ جانے کا واقعہ۔ اس جواب میں تینوں حصے ترتیب سے بیان کیے جائیں گے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ سیرت کے واقعات کو ان کے مآخذ کی روشنی میں تعلیمی انداز میں بیان کیا جا رہا ہے، اور کسی معجزاتی پہلو کی تشریح میں اہل علم کے مختلف اقوال کا احترام ملحوظ رکھا گیا ہے۔

پس منظر: دارالندوہ کا مشورہ

جب اسلام کی دعوت مکہ میں روکنا مشکل ہو گیا اور مدینہ میں انصار کی بیعت کے بعد مسلمانوں کی ہجرت شروع ہو گئی تو قریش کے سردار سخت پریشان ہوئے۔ انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچ گئے تو اسلام کو ایک مضبوط مرکز مل جائے گا۔ اس صورت حال پر غور کے لیے قریش دارالندوہ میں جمع ہوئے۔ روایات میں آتا ہے کہ مشورے میں کئی تجاویز پیش ہوئیں۔ کسی نے کہا کہ آپ کو قید کر دیا جائے، کسی نے جلاوطنی کی رائے دی، مگر ابوجہل کی تجویز کو قبول کیا گیا کہ ہر قبیلے سے ایک نوجوان منتخب کیا جائے اور وہ سب مل کر ایک ہی وقت میں حملہ کریں، تاکہ خون کی ذمہ داری تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے اور بنو ہاشم سب سے انتقام نہ لے سکیں بلکہ دیت قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ یہ منصوبہ اپنی نوعیت میں انتہائی خطرناک اور اجتماعی جرم کی صورت تھا۔ اسی پس منظر میں حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سازش سے آگاہ کیا اور اس رات اپنے بستر پر نہ سونے کی اطلاع دی، جس کے بعد ہجرت کی رات کا واقعہ شروع ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی ذمہ داریاں

ہجرت کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو بڑی ذمہ داریاں سونپیں۔ پہلی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ اس رات آپ کے بستر پر آپ کی سبز حضرمی چادر اوڑھ کر سو جائیں، تاکہ باہر گھیرا ڈالے ہوئے دشمن سمجھیں کہ آپ گھر میں موجود ہیں اور ہجرت کا آغاز خفیہ رہے۔ یہ ذمہ داری بظاہر سادہ تھی مگر حقیقت میں جان کی قربانی تھی، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ دشمن قتل کے ارادے سے گھیرے میں کھڑا ہے اور بستر پر سونے والے کو ہی نشانہ بنایا جائے گا۔ اس کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ اطمینان سے سو گئے۔ یہ اطمینان اس یقین کا نتیجہ تھا کہ اللہ کی حفاظت کامل حاصل ہے اور جو ذمہ داری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونپی ہے اس میں خیر ہے۔

دوسری ذمہ داری امانتوں کی واپسی تھی۔ مکہ کے لوگ، مخالفت کے باوجود، اپنی قیمتی چیزیں امانت کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھتے تھے کیونکہ آپ کو صادق اور امین مانتے تھے۔ ہجرت کے وقت آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہر امانت کے مالک کا نام اور تفصیل بتا کر حکم دیا کہ مکہ میں ٹھہر کر تمام امانتیں ان کے مالکوں کو واپس لوٹا دیں اور پھر مدینہ آ جائیں۔

امانتوں والی ذمہ داری سیرت کا ایک شاندار درس رکھتی ہے۔ جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، انہی لوگوں کی امانتیں لوٹانے کا اہتمام کیا گیا، کیونکہ امانت کا حق دشمنی سے ختم نہیں ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کئی دن مکہ میں قیام کر کے برسرِ عام اعلان کیا کہ جس کی کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امانت ہو وہ لے جائے، اور تمام امانتیں واپس کر کے پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اس عمل سے دشمن بھی متاثر ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کی اپنی ساکھ بھی قائم ہوئی۔ اس واقعے سے یہ اصول بھی ملتا ہے کہ قیادت مشکل کام خود سے قریب ترین اور قابلِ اعتماد شخص کو سونپتی ہے اور قابلِ اعتماد شخص جان کی پروا کیے بغیر ذمہ داری نبھاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ رات آپ کی پوری زندگی کے کردار کا عنوان ہے۔

گھر پر حملے کا منصوبہ اور اس کی انجام دہی کی کوشش

منصوبے کے مطابق منتخب نوجوان رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے گرد جمع ہو گئے اور دروازے کا گھیراؤ کر لیا۔ انہوں نے طے کیا تھا کہ جب آپ صبح کے وقت باہر نکلیں گے یا موقع ملے گا تو سب ایک ساتھ وار کریں گے۔ بعض روایات کے مطابق وہ جھانک کر دیکھتے اور بستر پر سوئی ہوئی شکل دیکھ کر مطمئن ہو جاتے کہ آپ اندر موجود ہیں۔ رات بھر وہ اسی گھات میں رہے۔ اس عرصے میں ان میں سے بعض نے بے حیائی کا مظاہرہ بھی کیا، مگر فیصلہ یہی تھا کہ حملہ اجتماعی ہو تاکہ کسی ایک قبیلے پر الزام نہ آئے۔ صبح جب حضرت علی رضی اللہ عنہ چادر سے باہر آئے تو حملہ آوروں کی ساری منصوبہ بندی بے نقاب ہو گئی۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے لاعلمی کا جواب دیا۔ دشمنوں کو سمجھ آ گیا کہ رات بھر کا گھیراؤ بے فائدہ رہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے سے نکل چکے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے سراغ کی تلاش میں دوڑ دھوپ شروع کی جس کا انجام غار ثور تک پیچھے اور انعامات کے اعلان تک جا پہنچا، مگر اللہ کی تدبیر غالب رہی۔

اللہ تعالیٰ کا انہیں اندھا کر دینا

سیرت کی مشہور روایت کے مطابق جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کا وقت آیا تو آپ نے مٹی کی ایک مٹھی لی، سورۃ یٰسین کی ابتدائی آیات کی تلاوت فرمائی اور دشمنوں کی طرف مٹی ڈالتے ہوئے ان کے درمیان سے گزر گئے۔ سورۃ یٰسین میں اس مفہوم کی آیت موجود ہے کہ اللہ نے ان کے سامنے اور پیچھے پردہ ڈال دیا ہے اور انہیں ڈھانپ دیا ہے، سمجھ میں یہی آتا ہے کہ اس موقع پر ان کی نگاہوں پر ایسا پردہ پڑا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قریب سے گزر گئے مگر وہ دیکھ نہ سکے۔ بعض اہل علم نے اسے غنودگی اور نیند سے بھی تعبیر کیا ہے کہ اللہ نے ان پر نیند طاری کر دی تھی۔ صبح ایک شخص نے انہیں بتایا کہ آپ رات ہی نکل چکے ہیں اور ان کے سروں پر مٹی پڑی ہوئی دیکھ کر انہیں یقین آیا۔ اس واقعے کو قرآن مجید میں سورۃ الانفال میں اس مفہوم سے بھی جوڑا جاتا ہے کہ دشمنوں نے مکر کیا اور اللہ نے اس کا بہترین جواب دیا اور اللہ کی تدبیر سب سے بڑھ کر ہے۔ یہاں طالب علم کے لیے اصل درس تدبیر اور توکل کا امتزاج ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانی اسباب بھی اختیار کیے، رازداری بھی رکھی، ساتھی بھی منتخب کیا اور راستہ بھی بدلا، مگر اصل بھروسا اللہ کی حفاظت پر رہا۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ ہجرت کی رات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو ذمہ داریاں ملیں، بستر پر سونا اور امانتیں واپس کرنا، اور آپ رضی اللہ عنہ نے دونوں کو کامل وفاداری سے نبھایا۔ کفار نے دارالندوہ میں اجتماعی قتل کا منصوبہ بنا کر گھیراؤ کیا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی نگاہوں پر پردہ ڈال دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان سے باحفاظت نکل کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ واقعہ امانت داری، قربانی، راز داری اور توکل کی جامع تصویر ہے۔ ایک طرف دشمنی اپنے عروج پر تھی اور دوسری طرف امانتوں کی واپسی کا اہتمام تھا، یہی تضاد سیرت نبوی کی عظمت کو نمایاں کرتا ہے۔ طالب علم کو اس واقعے سے یہ سبق لینا چاہیے کہ مشکل ترین حالات میں بھی اصولوں پر قائم رہنا، دی گئی ذمہ داری کو جان سے بڑھ کر سمجھنا اور اللہ پر بھروسا رکھنا ہی کامیابی کا راستہ ہے۔

سوال نمبر 5: مکہ میں مسلمانوں پر مظالم اور صبر و استقامت کی مثالیں (20 نمبر)

سوال نمبر 5: مسلمانوں کو مکہ میں کس طرح کے مظالم اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟ ان مظالم کے باوجود ان کے صبر و استقامت کی چند مثالیں دیں۔ (20)

تعارف

مکی دور کے تیرہ سال اسلام کی تاریخ میں صبر اور قربانی کے سال ہیں۔ اس دور میں مسلمان تعداد میں کم، وسائل میں محدود اور سیاسی تحفظ سے محروم تھے، جبکہ ان کے مخالفین اقتدار، تعداد اور قبائلی اثر و رسوخ میں مضبوط تھے۔ اس کے باوجود مسلمانوں نے ایمان نہیں چھوڑا۔ سوال دو حصوں پر مشتمل ہے کہ مسلمانوں کو کن کن طرح کے مظالم اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور انہوں نے ان کے جواب میں صبر و استقامت کی کون سی مثالیں پیش کیں۔ اس موضوع کو سمجھنا اس لیے ضروری ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی عمارت صرف آسانی کے زمانے میں نہیں بنی بلکہ اس کی بنیادوں میں مظلوموں کا صبر اور شہداء کا خون شامل ہے۔ اس جواب میں مظالم کو اقسام میں تقسیم کر کے بیان کیا جائے گا، پھر انفرادی اور اجتماعی مثالیں پیش کی جائیں گی اور آخر میں اس صبر کے نتائج کا جائزہ لیا جائے گا۔ تمام واقعات تعلیمی مقصد سے معروف سیرت مآخذ کے مشترکہ مضمون کی بنیاد پر بیان کیے جا رہے ہیں۔

مظالم کی اقسام

پہلی قسم جسمانی مظالم کی تھی۔ غلاموں اور کمزور مسلمانوں کو مارا پیٹا جاتا، تپتی ریت پر لٹایا جاتا، کوڑے لگائے جاتے اور بعض کو شہید تک کر دیا گیا۔ دوسری قسم معاشی دباؤ کی تھی۔ مسلمانوں کے کاروبار کا بائیکاٹ کیا گیا، لین دین بند کر دیا گیا، اور آخر میں بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ساتھ شعب ابی طالب میں تین سال کا مکمل سماجی اور معاشی مقاطعہ کیا گیا جس میں کھانے پینے کی چیزیں تک پہنچنا بند ہو گئیں اور بچوں کی بھوک سے آوازیں باہر تک سنائی دیتی تھیں۔ تیسری قسم سماجی اور نفسیاتی مظالم کی تھی، یعنی مذاق اڑانا، گالیاں دینا، راستوں میں کانٹے بچھانا، نماز کے دوران اوجھڑی ڈالنا اور الزامات لگا کر گرفتار کرنا۔ چوتھی قسم خاندانی دباؤ کی تھی کہ مسلمان نوجوانوں کو گھروں میں بند کر دیا جاتا، وراثت سے محروم کرنے کی دھمکیاں دی جاتیں اور والدین کے جذبات کو ان کے خلاف استعمال کیا جاتا۔ پانچویں قسم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونے والے مظالم کی تھی، جن میں طائف کا سفر خاص طور پر دردناک ہے جہاں آپ کو پتھراؤ کا سامنا ہوا۔ ان تمام اقسام کا مقصد ایک ہی تھا کہ مسلمان ڈر کر یا تھک کر دین چھوڑ دیں۔

جدول: مظالم کی اقسام اور ان کے اثرات

قسم	نمایاں صورتیں	زیادہ متاثر طبقہ
جسمانی	مار پیٹ، تپتی ریت، شہادت	غلام اور کمزور مسلمان
معاشی	بائیکاٹ، شعب ابی طالب کا مقاطعہ	تمام مسلمان اور بنو ہاشم
نفسیاتی و سماجی	مذاق، الزام، کردار کشی	نئے مسلمان اور دعوت دینے والے
خاندانی	قید، دباؤ، محرومی کی دھمکی	قریشی نوجوان مسلمان

صبر کی انفرادی مثالیں: خاندان یاسر اور دیگر صحابہ

صبر کی سب سے روشن مثال حضرت یاسر اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہما کا خاندان ہے۔ یہ ایک غلام خاندان تھا جس کے پاس کوئی قبائلی تحفظ نہیں تھا۔ بنو مخزوم انہیں میدان میں لے جا کر سخت اذیتیں دیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرتے تو صبر کی تلقین فرماتے اور جنت کی بشارت دیتے، جس کا مفہوم منقول ہے کہ اے آل یاسر صبر کرو، تمہارا ٹھکانا جنت ہے۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابو جہل نے اس بے دردی سے شہید کیا کہ وہ اسلام کی پہلی شہید خاتون قرار پائیں۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ بھی اذیتوں میں جان دے گئے اور ان کے بیٹے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کئی سخت تکالیف دی گئیں۔ اس خاندان کی استقامت نے یہ سبق دیا کہ ایمان کی قیمت سماجی درجے سے نہیں لگتی۔ اسی طرح حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو دہکتے کوئلوں پر لٹایا گیا جس سے آپ کی کمر پر داغ رہ گئے، مگر زبان پر شکوہ نہ آیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مکہ کی آسائش بھری زندگی چھوڑ کر فقر اختیار کیا اور ماں کے بائیکاٹ کے باوجود ایمان پر ثابت قدم رہے۔ بعد میں آپ مدینہ کے پہلے سفیر اور مبلغ بنے۔ یہ مثالیں بتاتی ہیں کہ صبر صرف خاموشی نہیں بلکہ مقصد پر جمے رہنے کا نام ہے۔

اجتماعی صبر: مقاطعہ، ہجرتیں اور طائف

اجتماعی سطح پر صبر کی سب سے بڑی مثال شعب ابی طالب کا تین سالہ مقاطعہ ہے۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب، مسلمان ہوں یا غیر مسلم، سب گھاٹی میں محصور رہے۔ خوراک کی کمی، بچوں کی تکلیف اور سردی گرمی کی شدت کے باوجود کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن کے حوالے کرنے پر آمادگی ظاہر نہیں کی۔ ابو طالب کی قیادت میں خاندان نے حفاظت کا فریضہ نبھایا اور مسلمانوں نے بھوک کے باوجود دین نہیں چھوڑا۔ آخر کار قریش ہی کے چند نیک دل لوگوں کی کوشش سے وہ ظالمانہ صحیفہ ختم ہوا جو کعبہ میں لٹکایا گیا تھا۔ اس سے پہلے صبر کی ایک اور صورت حبشہ کی طرف ہجرتوں میں نظر آتی ہے کہ مسلمانوں نے وطن، گھر اور کاروبار چھوڑ دیا مگر ایمان نہیں چھوڑا۔ پہلی ہجرت میں چند مرد و خواتین اور دوسری میں بڑی تعداد نے سمندر پار مسیحی بادشاہ نجاشی کے ملک میں پناہ لی، جہاں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے سورۃ مریم کی تلاوت کر کے اسلام کا تعارف

کرایا۔ طائف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر پوری امت کے لیے نمونہ ہے کہ پتھراؤ اور زخموں کے باوجود آپ نے اہل طائف کے لیے بددعا نہیں کی بلکہ ان کی آئندہ نسلوں کی ہدایت کی امید رکھی۔

صبر کے اسباب اور نتائج

اس استقامت کے اسباب میں پہلا سبب آخرت کا یقین تھا کہ یہ زندگی عارضی ہے اور اصل کامیابی اللہ کی رضا ہے۔ دوسرا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور قرآنی آیات کی تسلی تھی جو ہر مشکل مرحلے میں نازل ہو کر دلوں کو مضبوط کرتی تھیں۔ تیسرا سبب جماعت کی رفاقت تھی کہ مسلمان ایک دوسرے کا حوصلہ بڑھاتے اور دارارقم جیسے مراکز میں دلوں کو جوڑا جاتا تھا۔ چوتھا سبب مقصد کی بلندی تھی کہ یہ دعوت کسی قبیلے یا شخص کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی بھلائی کی تھی۔ ان اسباب کے نتائج بھی تاریخ نے دیکھے کہ مظلوم جماعت ماند نہیں پڑی بلکہ مزید مضبوط ہوئی، مکہ کے باہر کے لوگ اس کی صداقت کے قائل ہونے لگے، یثرب میں اسلام کے لیے زمین ہموار ہوئی اور بالآخر یہی صبر کرنے والے لوگ مدنی معاشرے کے معمار بنے۔ یہ نتیجہ ہر دور کے لیے اصول ہے کہ حق کی راہ میں آنے والی مشکلات اگر صبر اور ثابت قدمی سے برداشت کی جائیں تو وہ کمزوری کے بجائے قوت کا سبب بن جاتی ہیں۔ البتہ اس صبر کو موجودہ حالات میں کسی فرد یا معاملے پر براہ راست منطبق کرنا اہل علم اور متعلقہ ذمہ داروں کا کام ہے، طالب علم کا کام تاریخی سبق سمجھنا ہے۔

نتیجہ

آخر میں کہا جا سکتا ہے کہ مکی دور میں مسلمانوں کو جسمانی تشدد، معاشی مقاطعہ، سماجی ذلت، خاندانی دباؤ اور ہجرت کی مجبوری سمیت ہر طرح کی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ اس کے جواب میں آل یاسر کی شہادت، حضرت خباب کے کوئلوں پر صبر، حضرت مصعب کی قربانی، شعب ابی طالب کی اجتماعی برداشت اور طائف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درگزر نے وہ تاریخ رقم کی جو رہتی دنیا تک اہل ایمان کو حوصلہ دیتی رہے گی۔ ان مظالم نے اسلام کو ختم کرنے کے بجائے اس کی صداقت کا اعلان بنا دیا، کیونکہ جو لوگ بغیر کسی

دنیوی لالچ کے اتنی تکالیف برداشت کریں ان کی سچائی خود اپنا ثبوت بن جاتی ہے۔ طالب علم کے لیے ان واقعات کا پیغام یہ ہے کہ مشکلات سے گھبرانے کے بجائے ایمان، اتحاد اور کردار کی مضبوطی اختیار کی جائے اور ہر حال میں ظلم کا ساتھ دینے سے بچا جائے۔ یہی مکی سیرت کا خلاصہ اور اس سوال کا اصل جواب ہے۔

USMAN NOTES
www.usmannotes.com